

پنڈت رتن ناتھ سرشار

(1902-1846)



سرشار لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ منشی نول کشور نے ان سے ”فسانہ آزاد“ نام کا ایک ناول نمائشہ اپنے اخبار کے لیے قسطوں میں لکھوایا۔ تھوڑے ہی دنوں میں سرشار کی دھوم مچ گئی۔ کہنے کو یہ لکھنؤ کے ایک نوجوان میاں آزاد کی داستان ہے۔ لیکن کتاب کا بڑا حصہ دوسرے بہت سے چھوٹے چھوٹے واقعات اور قصہ در قصہ کی طرح مناظر پر مشتمل ہے۔ کرداروں، واقعات اور جگہوں کی اس بھیڑ میں ہنسی مذاق بھی ہے۔ اس زمانے کی تہذیب کی طنزیہ یا ہمدردانہ تصویریں بھی ہیں، انگریزی اور ہندوستانی مزاج و تہذیب کا ایک دوسرے پر اثر اور رد عمل بھی ہے۔ سرشار کو ہر طرح کی زبان کے استعمال پر قدرت حاصل تھی۔ وہ موقع و محل کے لحاظ سے سلیس و سادہ، فارسی آمیز اور مرصع عبارت بے تکلف لکھتے تھے۔



5287CH05

صَفِ شِکْنِ بَطِیر

میاں آزاد نواب کی ڈیوڑھی پر آئے اور آداب بجلائے۔ اتنے میں ایک چوب دار برہنہ سر، پریشان و مضطر لپکتا ہوا آیا۔
”خداوند! بڑا غضب ہو گیا۔“ ”کیا کہتے ہو؟“ ”کیا کہوں؟“ ”کہو، میں! خیر ہے؟ بولو تو!“
سب کا رنگ فق کہ خدا ہی خیر کرے، نواب کا کلیجہ دہل گیا۔ ”میاں! کچھ منہ سے بولو سر سے کھیلو، آخر کیا آفت آئی؟ کچھ معلوم تو ہو؟“
چوب دار : ”ہاتھ جوڑ کر“ ”جان بخشی ہو تو عرض کروں۔ بیٹے سب اُڑ گئے۔“



نواب : ”(ہاتھ ملتے ہوئے) ”سب؟ ارے سب اُڑ گئے؟ ہائے! میرے صفِ شکن کو جو ڈھونڈ لائے، ہزار نقد نقد پائے۔ اس وقت میں جیتے جی مرٹا۔ اُف! بھائی اُف! ابھی ساٹھ سواروں کو حکم دو کہ بیچ کوسی دورہ کریں، جہاں صفِ شکن ملے، سمجھا بچھا کر لے ہی آئیں۔“
مُصاحب : ”خداوند! سمجھانا کیسا؟ وہ بھی کوئی آدمی ہے کہ سمجھ جائے گا؟ جنور لاکھ پڑھے، پھر جنور ہے۔“
نواب : ”کوئی ہے۔“

- رُفقا : حاضر پیرومرشد! خداوند! جی حضور۔
- نواب : ”ان پر جوتے پڑیں۔ لوصاحب! ہم تو اس وقت گھبرائے ہوئے ہیں یہ بات کاٹتا ہے۔ صف شکن کو ایسے گدھوں سے زیادہ تمیز ہے۔“
- رُفقا : ”حق ہے اے حضور! وہ تو عربی سمجھ لیتا ہے۔“
- دوسرے بولے : ”خداوند! اُسے قرآن کے کئی پارے یاد ہیں۔“
- تیسرے نے کہا : ”قسم پنج تن پاک کی، میں نے اُسے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔“
- چوتھے : ”ایک دن ہنس رہا تھا۔“
- پانچویں : ”اجی! ہم نے اُسے ڈنڈ پلینے دیکھا ہے۔“
- ”نواب صاحب کو ان گل باتوں کا یقین آ گیا۔ اُس صاحب بے چارے کی گڈی پر کئی گدے پڑ گئے۔ بیٹیر کیا اڑ گیا کہ نواب صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ آنکھوں سے اشک جاری، ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ کلیجہ بلیوں اچھل رہا ہے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ ”ہائے میرا صف شکن! پیارا صف شکن!“۔
- مُصاحب : حضور کو یاد ہوگا، رمضان شریف کے مہینے میں اس نے دانہ تک نہ چھوا۔ حضور سمجھے تھے بوندا ہو گیا، مگر میں تاڑ گیا کہ پابند صوم و صلوٰۃ ہے۔
- میر صاحب : پیرومرشد! یقین جانے، پچھلے پہر سے سحر کا ذب تک حق حق کی آواز کا بک سے آیا کرتی تھی۔ غفور! تم کو بھی ہم نے کئی بار جگا کر سنا یا تھا کہ صف شکن یا خدا میں مصروف ہیں۔
- غفور : ہاں میاں! پچھلے پہر سے حق حق کیا کرتے تھے، اور اکثر دیکھا تھا کہ سجدہ کر رہے ہیں۔
- خوجی : جَلَن جَلالہ۔ واہ میاں صف شکن علی شاہ۔
- نواب : ہم نے اسے پہچانا ہی نہیں۔ اُف اُف! بھی کوئی پنکھا جھلنا۔
- مصاحبین : (غل مچا کر) پنکھ لاؤ جلدی۔ سامنے کھڑے ہو کر جھلو۔
- نواب : پیتم! جو میں جانتی، کہ پیتم کیسے دکھ ہوئے
- نگر ڈھنڈورا بیٹی، پیتم کرے نہ کوئے
- خوجی : (پینک سے چونک کر) ہاں ذری اونچے سُروں میں، واہ اُستاد! چھیڑے جا۔ اس وقت تو میاں شوری کی

رُوح پھڑک گئی ہوگی۔

نواب : چُپ نامعقول! کوئی ہے؟ ان کو یہاں سے ہٹلاؤ۔ یہ رئیسوں کی صحبت کے قابل نہیں۔ یہاں توجی جلتا ہے، اندر ہی اندر پک رہا ہوں۔ ان کے نزدیک تو الی ہو رہی ہے، کہنے لگے، ”اونچے سُرور میں، میاں شوری یاد آتے ہیں۔“ تم ایسے مُفت خوروں کو کسی کے دکھ درد سے کیا سروکار؟ تم کو تو چکھوتیوں سے مطلب ہے۔ اور بس فیرنی ہو، کھیر پکے، مزعفر پر ہاتھ پڑے۔ نکلے کھائے، دل بہلائے، کپڑے پھٹے، گھر کو آئے۔

خوجی : خُداوند! غلام تو اس وقت آپے میں نہیں۔ ہائے! صف شکن کی کا بک خالی ہو اور میں اپنے ہوش و حواس سے چوکس رہوں۔ میرا معشوق نظر سے غائب ہو تو طبیعت کیوں کر حاضر ہو؟ حضور نے اس وقت مجھ پر جبر کیا، افسوس! ہائے افسوس! ارے یارو! صف شکن کو کہیں سے ڈھونڈھ لاؤ۔ کوئی تو پتہ لگاؤ۔ چورگیدی سے خُدا سبھے۔

نواب : شاباش! خوجی، شاباش! اس وقت طبیعت بہت ہی خوش ہو گئی۔ بے شک تم نمک حلال، تمھارے باپ دادا نمک حلال۔ ارے بھئی! سانڈنی سوار دوڑائے گئے یا نہیں؟۔

مصاحب : شجاعت علی سے کہو ابھی سانڈنی تیار ہو اور بیچ کوسی چلے لگائے، جہاں صف شکن ملیں انھیں سمجھا بچھا کر لے ہی آئے۔
شجاعت علی : جاتا تو ہوں، مگر وہ منطق پڑھے ہیں۔ میری کیا سنیں گے؟ کوئی مولوی بھی ساتھ بھیجیے۔ اُن سے بحثے گا کون؟ غلام تو کچھ اونٹ چلانا ہی خوب جانتا ہے۔ اُن سے دلیل کون کرے گا بھلا؟۔

میاں آزاد : پیرو مُرشد! بانک، بنوٹ، لکڑی، پٹے کا چرچا ہوتا تو بندہ بھی تلوار سونت کر عین موقعہ واردات پر جا ڈٹتا اور چرکے پر چرکا، نشتر پر نشتر لگاتا۔ منطق کی بحث کچھ خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں، کسی بچا دردی مولانا کو بلوایئے۔

مصاحبوں نے ایک مولانا کو تجویز کیا۔ مولانا بچارے پھٹے حالوں تھے، سمجھے کہ جو ملے غنیمت ہے، مگر یاران سرپل نے اُن سے گل داستان نہیں بیان کی۔ چوب دار مکان پر گیا اور کہا نواب صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے چلیے! کسی بڑے عالم سے بحث ہوگی۔

مولانا : السلام علیکم! حضور نے آج یاد فرمایا ہے۔ زہے نصیب۔

نواب : وعلیکم السلام! آپ کو اس وجہ سے تکلیف دی ہے کہ میرا فُزُ العین، لُحْتِ جگر، نورِ بصر ناراض ہو کر چلا گیا۔ مگر بہت منطقی ہے۔ اسرار خُدائی سے واقف، علم مناظرہ میں طاق، پابند روزہ نماز، آپ بحث کیجیے اور معقول کر کے اُسے لائیئے۔

مولانا : انشاء اللہ! والدین کا بڑا حق ہوتا ہے۔ وہ کیسے نادان آدمی ہیں کہ والدین سے خفا ہو گئے؟ مقام استعجاب ہے۔
 خوبی : مولانا صاحب! وہ بیڑ ہے، مگر خوش تمیز، عارف، زاہد، عفت کوش، متقی، مشرع، منطقی، فلسفی، بہیت داں، عربی خواں۔
 میر صاحب : کیا صف شکن کا نام مولانا نے نہ سنا ہوگا؟ وہ تو روم تک مشہور تھے۔

قبلہ! حقیقت حال یوں ہے کہ سرکار کا بیڑ صرف شکن کل کا بک سے اڑ گیا۔ اب تجویز یہ ہوئی ہے کہ ایک سائڈنی سوار جائے اور سمجھا بجھا کر لے آئے، مگر شتر بان پھر شتر بان ہے، لاکھ صحبت یافتہ ہو تو کیا! لہذا، آپ بلائے گئے کہ سائڈنی پر سوار ہو جیے، اور اُن کو بہ لطائف الجیل بلا لائیے۔

مولانا : درست، آپ سب کے سب نشے میں تو نہیں؟ ہوش کی باتیں کیجیے۔ خود مسخرے بنتے ہو یا مجھے مسخرے بناتے ہو۔
 بیڑ منطقی کیسا؟ لائحہ و لائقہ۔ اور سنیے، بیڑ اڑ گیا، اُس کو سمجھا کر لاؤ۔ وہ بھی کوئی مولوی ہے یا آدمی ہے؟
 صف شکن! کون لڑائی سر کی تھی؟ استغفر اللہ! استغفر اللہ! اچھے گاؤ دیوں کا مجمع ہے۔ بندہ رخصت ہوتا ہے۔

نواب : یہ کس کوڑھ مغز کولائے تھے؟ خاصا جانگلو ہے۔
 آزاد : اچھا! حضور بھی کیا خیال کریں گے اتنے بڑے دربار میں ایک بھی منطقی نہ نکلا، لو! اب غلام نے بیڑ اٹھالیا کہ جاؤں گا اور لاؤں گا۔ ایک تو سائڈنی دیجیے۔ با درفتار، اور دودن کی خوراک دیجیے، اور ایک خط اپنے دست مبارک سے لکھ دیجیے۔ تیسرے دن غلام مع صف شکن بہادر کے ڈیوڑھی پر موجود نہ ہو، تو مونچھیں منڈا دیجیے۔

نواب : اچھا آپ جائیے اور لیس ہو کر آئیے۔ میں یہاں بندوبست کیے دیتا ہوں۔ مگر ابھی آئیے، دیر نہ ہونے پائے، اتنا خیال رہے۔

میاں آزاد گھر گئے اور مصاحبوں میں کھچڑی پکنے لگی۔ ”یارو! یہ تو بازی جیت لے گیا۔ پالا اسی کے ہاتھ رہا۔ اور جو کہیں صف شکن کو لے آیا، تو پھر ہم سب پر شیر ہو جائے گا۔ پھر آزادی ہی آزاد چوہرہ نظر آئیں گے۔ ہم کو، آپ کو، کوئی نہ پوچھے گا۔ اس کی فکر کیجیے۔“

خوبی : ”حضور! جاں بخشی ہو تو عرض کروں۔“

نواب : ”کہیے نا۔ یہ جاں بخشی کا کون سا موقع ہے؟ کوئی عمدہ صلاح بتائیے، کوئی معقول تدبیر نکالیے۔“

خوبی : حضور! میاں آزاد، ابھی دودن سے اس دربار میں آئے ہیں۔ اُن کا اعتبار کیا؟ خُدا جانے اچکے ہیں، اٹھائی گئے ہیں، چور ہیں، گرہ کٹ ہیں، کوئی کیا جانے؟ اور جو سائڈنی ہی لے کر روفو چکڑ ہوں، تو پھر کوئی کہاں ان کا پتہ لگاتا پھرے گا؟ انصاف سے کہیے گا کہ ایک خانہ برباد، خانہ بہ دوش آدمی کا ٹھکانا کیا؟ اور وہ کچھ

بیدھا ہے کہ واپس آئے گا؟“

مُصاحب : ہاں خداوند! سچ تو سچ ہے۔

میر صاحب : یہ خوبی صورت ہی سے کچھ ایسے معلوم ہوتے تھے، مگر بات کہی ٹھکانے کی۔

مسیتا بیگ : ہم تو حضور کو صلاح نہیں دیں گے، کہ میاں آزاد کو سائنڈنی دیتے۔

نواب : چلو، بس بہت نہ بکو! تم اٹھائی گیرے، مفت خورے ہونا۔ سب کو اپنا ہی ایسا سمجھتے ہو۔ آزاد کی چتون کہے

دیتی ہے کہ وہ وزارت کے قابل ہے۔ تم میں سے کوئی اس کی جوتی کی پھٹ پھٹ کو نہیں پہنچتا، اور فرض کرو

کہ سائنڈنی جاتی ہی رہے تو کیا میں بھی کوئی ٹکڑا گدا ہوں کہ سائنڈنی کے کھونے سے مجھے بھیک مانگنے کی

نوبت آجائے گی؟ اور ہزاروں کی ایک بات تو یہ ہے کہ صف شکن پر سے لاکھوں صدقے ہیں۔ سائنڈنی کس

شمار میں ہے۔

ہمارے سیلانی جوان، رنکیلے پہلوان، ظریفوں کی جان، زندہ دلوں کی روح رواں، میاں آزاد نے سائنڈنی پر کاٹھی کسی،

اور بھولے بھالے، دیوانے، متوالے نواب سے رخصت ہوئے۔

میر صاحب : ذری، سائنڈنی سے چوکس رہیے گا۔

آزاد : خداوند! رخصت، مجرا عرض ہے غلام کے حق میں دعائے خیر کیجیے۔

نواب : خدا حافظ و ناصر ہے، اور میرا تو رونگٹا رونگٹا دُعا دے رہا ہے۔ لیجیے بسم اللہ کیجیے۔

میاں آزاد نے پُشت پھیری تھی کہ اتنے میں پٹ سے چھینک پڑی۔ ہات تیری کی ناک کاٹوں، ہتھے پر ٹوکا کم بخت

نے، لے میاں ذری جو تابدل ڈالو، اور یہ گلوری کھالو۔ میاں آزاد پھر سب سے رخصت ہوئے۔ فی امان اللہ! خدا حافظ! اللہ کو

سونپا، مگر سائنڈنی کی خیر نہیں نظر آتی۔ بی مبارک قدم، لونڈی اور ماما، اصلوں نے چٹ چٹ بلائیں لیں اور دعائیں دیں۔

الغرض میاں آزاد سائنڈنی پر سوار ہو کر ہوا ہوئے۔ یہ جاوہ جا۔ تھوڑی دیر میں نظر سے اوجھل۔

جب کئی دن گزر گئے، تو خوشامد خوروں نے چنگ پر چڑھایا، پیرومُرشدا! دیکھا، ہم نہ کہتے تھے کہ میاں آزاد، خانہ برباد کا

ٹھکانہ کیا؟ حضور نے نہ مانا، آخرش سائنڈنی کی سائنڈنی گئی، اور رنج کارنج ہوا۔

خوجی : اور بے وقوف کے بے وقوف بنے۔

میر صاحب : اور انعام جو دیا گیا، اُس کی گنتی ہی نہیں۔

- غفور : ہجور! اب وہ پھرتے بجز نہیں آتے۔ دو تین سو کی سائڈنی پر پانی پھر گیا۔
- خوجی : ہونہہ! یہ دو ہی تین سو لیے پھرتے ہیں۔ اے میاں! وہ سائڈنی بلا کی دھاوا کرنے والی ہے۔ ریل کی دم میں باندھ دو، دیکھو چند سی تک برابر چھم چھم کرتی چلی جاتی ہے یا نہیں؟ ہندوستان سے ملک میں ویسی تو ایک نظر نہیں آتی۔ کیا دم خم ہے؟
- نواب : اتنے بڑے لوہڑے ہوئے مگر گھوکے ہی رہے۔ جو بات کریں گے، بے ٹھکانے۔ سائڈنی، نکلے کا جانور، گئی گئی۔ اب اُس کا رونا کیا؟ ہائے! رنج تو یہ ہوا کہ میاں صف شکن اب ہاتھ نہیں آنے کے۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ کلیجے پر کیسی چوٹ لگی ہے؟ بھئی! اس سے تو مجھے موت ہی آجاتی تو سمجھتا، بڑا خوش نصیب ہوں افسوس!۔
- مصاحب : حضور! صبر کیجیے۔ بڑے نواب صاحب مر گئے، تو حضور نے کیا کر لیا؟ چچا، حضور کو چھوڑ کر چل بسے، تو حضور نے کیا کر لیا؟ دادا جان، ساری ثروت سے منہ موڑ کر داغِ جدائی دے گئے، تو حضور نے کیا کر لیا؟ اب صبر کیجیے۔
- نواب : میاں! باپ دادا تو سب ہی کے مرا کرتے ہیں، مگر صف شکن سے وفادار جانور کا ایک دم بھی جدا ہونا کھلتا ہے، نہ کہ کا بک سے اڑ جانا۔ خیر، خدا اُن کو بخشے۔ اس وقت دل ہے کہ بے اختیار اُٹھ اچلا آتا ہے۔
- خوجی : اس وقت تہہ دل سے دُعا نکلتی ہے کہ میاں آزاد مع صف شکن علی شاہ کے کھٹ سے آجائیں، اور حضور، واللہ! دل گواہی دیتا ہے کہ آیا ہی چاہتے ہیں۔ بس صبح وشام آئے، داخل۔
- نواب : تمہارے منہ میں گھی شکر۔
- مسیتا : حضور! مٹھائی کا اقرار کر لیں۔
- خوجی : اور سنیے! یہ ابے مٹھائی کیسی؟ وہ جلسے اڑیں، وہ جشن ہوں کہ واہ جی واہ! مہینوں طبلے پر تھاپ پڑے، اور دور دور سے طائفے آئیں۔ صف شکن کا آنا کوئی ایسی ویسی بات ہے؟ گیدی کہیں کا۔
- نواب : انشاء اللہ! پھر میں اپنے دل کا ارمان نکالوں۔ وہ دھماچو کڑی مچے کہ واہ جی، واہ۔
- الغرض، میاں آزاد کا خط لے کر چابک سوار نواب کی خدمت میں حاضر ہوا۔
- چابک سوار : مجرا عرض ہے۔
- نواب : سلام! کہو! بیٹا کہ بیٹی؟ جلدی سے بولو، یہاں پیٹ میں چوہے کود رہے ہیں۔
- چابک سوار : حضور! غلام نے راہ میں دم لیا ہو، تو جرمیمانہ دوں، بس گھوڑے کی پیٹھ پر آیا اور کڑ کڑا دیا۔

خوجی : کتنے بے تکے ہومیایاں! سوال دیگر جواب دیگر، کہیں کھیت کی، سینیں کھلیان کی۔ بھلا اپنی کارگزاری جتانے کا یہ کون سا موقع ہے؟ جی آزاد کا پتہ بتاؤ، مارے شیخی کے ڈبلے ہوئے جاتے ہیں۔

اب سینے کہ میاں آزاد اپنی سانڈنی پر سوار، صف شکن علی شاہ کو کابک میں بٹھائے سڑک پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اس! صف شکن علی شاہ کہاں سے آگئے؟ اجی کسی اٹیڑیٹیر کو ادھر ادھر سے خرید لیا ہوگا۔

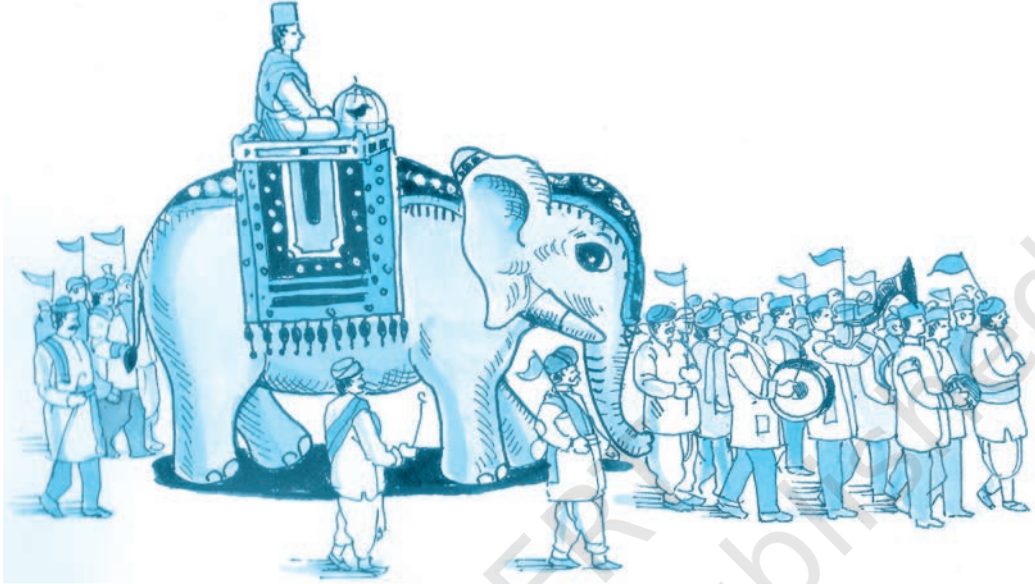
نا صاحب! وہی صف شکن۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ میاں آزاد نے اور سب ٹیڑوں کو تو آزاد یا تھا، مگر صف شکن علی شاہ کو چھپا رکھا تھا، اب موقع پر ان کو نکالا۔ خیر، خوجی آتے ہی ان سے بغل گیر ہوئے اور میر صاحب گلے ملے، اور غفور خدمت گار نے سلام کیا اور رفقا و مُصاحبین سے مصافحہ ہوا۔

خوجی : مثل مشہور ہے کہ سو برس بعد گھورے کے دن بھی بہرتے ہیں۔ سو ہمارے تو آج دن بہورے کہ آپ آئے اور شاہ جی لائے، نواب کے یہاں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ وہ چہل پہل ہی نہیں، وہ دل لگی ہی نہیں، صف شکن کے سوگ میں سب پر مر دنی چھائی تھی نواب چونک چونک پڑتے تھے۔ کھٹ ہوا اور پوچھا۔ ”آزاد آئے۔“ دھم ہوا اور کمنائے مگر آپ نہ آئے۔

آزاد : بھائی! کچھ پوچھو نہیں۔ واللہ! آسمان میں تھگی لگائی تب کہیں ان کی زیارت نصیب ہوئی، خدا جانے کن کن جنگلوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں کیا کیا اُفتادیں پڑیں۔

خلاصہ یہ کہ خوجی اور میر صاحب اور رفقا اور مُصاحبین سب کے سب مل کر میاں آزاد کو چیتے یار بناتے تھے، مگر ہمارے آزاد ایک ہی استاد تھے۔ خوب سمجھے کہ اب نواب کے یہاں ہمارا جو طوطی بولے گا، اُس سے یہ سب ہمارے پارچے بن رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تک تو خوب گھل گھل کر باتیں ہوئیں، تو میاں آزاد نے کہا: حضرت! اب رات جاتی ہے یا آتی ہے، چلیے نا، بس اب انتظار کس کا ہے؟ اچھا بسم اللہ کیجیے، پنشانے چڑھاؤ، لالٹینیں جلاؤ، گھوڑے چلاؤ، ہاتھی کے پرے ہماؤ، باجا، بجاؤ، تامدان بڑھاؤ، سب قرینے سے لگاؤ، جب جلوس آراستہ ہوا تو میاں آزاد ایک فیمل فلک شکوہ پر جاڈٹے اور صف شکن علی شاہ کی کابک کو آگے رکھ لیا۔ شہر میں تو پہلے ہی سے ہلڑ تھا کہ نواب والا بیڑ بڑے ٹھسے سے آ رہا ہے۔ لاکھوں آدمی چوک میں تماشا دیکھنے کو ڈٹے ہوئے تھے۔ چھتیں پھٹی پڑتی تھیں۔ وہ بھیڑ بھڑکا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ باجوں کی آواز جوکانوں میں پڑی تو تماشا کی چشم در انتظار ہوئے۔



نشان کا ہاتھی جھنڈے کا پھر ہراڑا تا، اٹھیلیاں کرتا، سامنے آیا۔ پھولوں کے تخت آگے تھے۔ انگریزی باجے نے کانوں کو سرور، نازینانِ پری و ش کے رُخ انور نے آنکھوں کو نور بخشا۔

(پنڈت رتن ناتھ سرشار)

مشق

سوالات

- 1- نواب صاحب کے رفیقوں نے صف شکن کی تعریف میں اس کی کیا کیا خصوصیات بتائیں؟ کوئی پانچ خصوصیات لکھیے۔
- 2- مولانا کو کیوں بلایا گیا تھا اور اس پورے معاملے پر ان کا رد عمل کیا تھا؟
- 3- صف شکن کو واپس لانے کی ذمہ داری کس نے لی اور اس کام کے لیے کیا کیا چیزیں طلب کیں؟
- 4- مصاحبوں نے نواب صاحب کو آزاد کے خلاف بھڑکانے کے لیے اس کی برائی میں کیا کیا کہا؟
- 5- صف شکن کو آزاد کہاں سے ڈھونڈ کر لائے؟ تفصیل سے بتائیے۔